شاہد حمید رزاقی

پاکستان کے بیس سال

سیاسی سرگذشت، قومی مسائل اور اسلامی ممالک سے تعلقات

انگریزی حکومت اور طاقت ور ہندو اکثریت کی شدید مخالفت کے باوجود پاکستان کا قائم ہونا، انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں اس کا برقرار رہنا اور ایک مختصر مدت میں ہمہ جہتی ترقی و استحکام کی منزلیں طے کر کے ایشیا اور افریقہ کے نوآزاد اور ترقی پذیر ممالک کے لیے ایک مثالی نمونہ بن جانا دورِ جدید کی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ ۱۹۳۰ میں حکیم الامت علامہ اقبال نے جب کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ہندوستان کے مسلم علاقوں پر مشتمل مسلم مملکت کے قیام کا تصور پیش کیا تو اس کو ایک شاعر کی خیال آرائی سے زیادہ اہمیت نہ دی گئی لیکن سیاسی حالات اس تیزی سے بدل رہے تھے کہ دس سال کے اندر اقبال کا یہ تصور اسلامیانِ ہند کی واحد نمائندہ تنظیم کل ہند مسلم لیگ کا نصب العین بن گیا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی حیات آفرین قیادت میں اس نصب العین نے ۱۹۴۷ میں ایک عملی حقیقت کی شکل اختیار کر لی اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ایک عظیم اسلامی مملکت ظہور پذیر ہوئی۔

پہلا دور ـــــ قائد اعظم اور شہیدِ ملّت کا عہد

۱۹۴۷ کے قانونِ آزادیٔ ہند کے مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو پاکستان قائم ہوا اور قائد اعظم اس کے گورنر جنرل بنے۔ لیاقت علی خاں نے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے وزارت تشکیل دی اور ایک نئی مملکت کی تعمیر و ترقی کے نہایت اہم اور دشوار کام کا آغاز ہوا۔ پاکستان جن حالات میں وجود میں آیا اور بھارت کی عداوت نے اس نئی مملکت کے لیے جو زبردست مسائل پیدا کر دیے ان پر قابو پانا نہایت مشکل کام تھا۔ نظم و نسق درہم برہم ہو چکا تھا۔ لٹے پٹے مہاجر ہر روز لاکھوں کی تعداد میں آ رہے تھے۔ ان کی یہ تعداد دیکھتے ہی دیکھتے پچاس لاکھ سے متجاوز ہو گئی اور پھر اسّی لاکھ تک جا پہنچی۔ دوسری طرف کشمیر پر بھارت کے جارحانہ قبضے اور مسلمانوں کے قتلِ عام کی وجہ سے انتہائی نازک حالات

پیدا ہو گئے تھے اور قائداعظم ان مشکلات کو حل کرنے میں شب و روز مصروف رہے۔ انھوں نے ایک نظامِ حکومت قائم کر دیا۔ ملک کے سیاسی و معاشی استحکام اور فلاح و ترقی کی تدبیریں اختیار کی گئیں اور پچاس لاکھ سے زیادہ مہاجر آباد کر دیے گئے۔ قائداعظم جلد از جلد ملک کا دستور بنانا چاہتے تھے لیکن انھیں اس کا موقع نہ ملا اور ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ان کی وفات ملک و قوم کے لیے انتہائی صبر آزما حادثہ ثابت ہوئی۔

قائداعظم کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل ہوئے اور ملک و قوم کی عنانِ قیادت لیاقت علی خاں کے ہاتھ میں آئی۔ بھارت کی مسلم دشمنی اور مخالفِ پاکستان حکمت عملی کی وجہ سے پاکستان کی مشکلات میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔

قائداعظم کی وفات کے فوراً بعد ہی بھارت نے ریاست حیدر آباد پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ بھارت کے مختلف علاقوں میں مسلم کش فسادات کا سلسلہ جاری تھا اور مظلوم مسلمان وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لے رہے تھے۔ کشمیر میں حریت پسند اپنے حقوق کے لیے بھارت کی قابض فوجوں سے جنگ کر رہے تھے اور یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا جا چکا تھا۔ پاکستان میں غذائی قلت پیدا کرنے کے لیے بھارت نے پاکستان کی ان نہروں کا پانی بند کر دیا تھا جو بھارتی علاقوں سے نکلتی تھیں۔ ہندوستان کی تقسیم کی بنا پر جو اثاثے اور فوجی سامان پاکستان کے حصے میں آیا تھا وہ بھارت نے روک لیا اور پاکستانی سرحد پر اپنی فوجیں جمع کر کے اس ملک کی سلامتی کے لیے زبردست خطرہ پیدا کر دیا۔ مزید برآں پاکستان کی اقتصادی حالت کو تباہ کرنے کے لیے وہ بڑے وسیع پیمانے پر تجارتی جنگ بھی کر رہا تھا۔ لیاقت علی خاں نے ان سب مشکلات کا مقابلہ کیا۔ مختلف ممالک سے تعلقات استوار کیے۔ امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے چند ممالک کا دورہ کیا۔ عالمی سیاست میں امن، انصاف اور قوموں کے حق خود ارادیت کی حمایت کا اصول اختیار کیا۔ مسلم ممالک سے برادرانہ تعلقات قائم کیے اور ان کے قومی مفاد کے تحفظ اور آزادی کی جدوجہد میں پوری مدد کی۔ بھارت کے معاندانہ عزائم اور فوجی حملے کی دھمکیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پاکستانی سکے کی قیمت کم کرنے سے انکار کر دیا۔ ملک کے داخلی حالات کی تنظیم پر بھی پوری توجہ کی۔ مجلس دستور ساز میں قرارداد مقاصد منظور کرا کے مملکت کے دستور کی بنیاد رکھی اور دستور سازی کی راہ ہموار کر دی۔ مسلم لیگ کو منظم اور مستحکم بنانے کے لیے مؤثر کوششیں کیں۔ پنجاب میں انتخابات کرائے۔ صوبوں کی حالت درست کی اور مرکزی حکومت کو اس قدر مضبوط بنا دیا کہ وہ داخلی اور خارجی تمام مسائل کو حل کر سکے۔ لیاقت علی خاں کو بھی کام کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں ملا اور

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں ان کی شہادت سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جو اُن کے جانشین پُر نہ کر سکے۔

دوسرا دور ـــــ سیاسی کشمکش کا زمانہ

خواجہ ناظم الدین لیاقت علی خاں کے بعد وزیر اعظم ہوئے اور غلام محمد گورنر جنرل بنائے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وزیر اعظم اور گورنر جنرل میں اختلاف پیدا ہو گیا جس سے مرکزی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور صوبائی وزارتوں کی طاقت بڑھنے لگی۔ بارش کی کمی اور نہروں کا پانی بند ہو جانے کی وجہ سے غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکہ نے کثیر مقدار میں گیہوں دیا اور اس کا سیاسی اثر بڑھنے لگا۔ اپریل ۱۹۵۳ء میں غلام محمد نے ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا اور محمد علی بوگرہ وزیر اعظم بنائے گئے۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں بنگال کے انتخابات میں جگتو فرنٹ کی کامیابی کے بعد صوبائی وزارت کی وجہ سے دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ بعض صنعتی مراکز میں فسادات ہوئے اور امن خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ وزارت کو برطرف کر کے گورنری حکومت نافذ کی گئی۔ وزیر اعظم کو جب کچھ اطمینان حاصل ہوا تو انھوں نے گورنر جنرل کے ان اختیارات پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کی جن کی بنا پر ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کیا گیا تھا۔ مجلسِ دستور ساز بھی اس خیال سے متفق تھی۔ چنانچہ یہ اختیارات سلب کر لیے گئے۔ لیکن غلام محمد نے اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مجلسِ دستور ساز کو توڑ دیا۔ یہ اقدام بڑا اختلافی مسئلہ بن گیا اور معاملہ عدالت تک پہنچا۔ مئی ۱۹۵۵ء میں سپریم کورٹ نے فیصلہ سنایا اور نئی مجلسِ دستور ساز کے فوری انتخاب کی ہدایت کی۔ چنانچہ جولائی میں نئی مجلس کا انتخاب ہوا جس کی حیثیت دستوریہ اور مقننہ دونوں کی تھی۔ جولائی ۱۹۵۵ء میں اس کا پہلا اجلاس مری میں ہوا۔ دستور سازی کے کچھ اصول بنائے گئے اور اردو اور بنگلہ دو قومی زبانیں بنانے پر اتفاق ہوا۔ ۵ راگست ۱۹۵۵ء کو اسکندر مرزا قائم مقام گورنر جنرل بنائے گئے۔ حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ مسلم لیگ اور متحدہ محاذ میں اتحاد ہو گیا اور محمد علی بوگرہ نے استعفےٰ دے دیا۔

۱۱ راگست ۱۹۵۵ء کو چودھری محمد علی نے مخلوط وزارت بنائی۔ انھوں نے مغربی پاکستان کو ایک صوبہ بنانے کی بہت کوشش کی اور اکتوبر ۱۹۵۵ء میں وحدتِ مغربی پاکستان قائم کرنے کا قانون منظور ہوا۔ چودھری محمد علی نے دستور سازی پر بھی توجہ کی۔ ۲۹ ر فروری ۱۹۵۶ء کو مجلسِ دستور ساز نے نیا دستور منظور کیا۔ ۵ رمارچ کو اسکندر مرزا صدرِ مملکت منتخب کیے گئے اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ کو اسلامی جمہوریۂ پاکستان بنایا گیا۔

نئے دستور کے نفاذ کے بعد بھی ملک کو سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا اور حالات بگڑتے ہی گئے۔ اسکندر مرزا سیاست میں عملی حصہ لینے لگے جس سے صورتِ حال بہت نازک ہو گئی۔ مغربی پاکستان میں

مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کی کش مکش نے شدت اختیار کر لی جس کا مرکز پر بڑا اثر پڑا اور وزیر اعظم کی پوزیشن بہت کمزور ہو گئی۔ آخر کار ستمبر ۱۹۵۶ء میں چودھری محمد علی مستعفی ہو گئے اور حسین شہید سہروردی نے عوامی لیگ اور ری پبلکن پارٹی کی مخلوط وزارت بنائی۔ کچھ عرصہ بعد عوامی لیگ میں پھوٹ پڑ گئی اور عبدالحمید بھاشانی نے اس جماعت سے الگ ہو کر نیشنل عوامی پارٹی قائم کر لی۔ اس سے سہروردی کی حکومت پر برا اثر پڑا۔ اس کے بعد ری پبلکن پارٹی نے بھی وزیر اعظم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سہروردی کا یہ دعویٰ تھا کہ اکثریت اب بھی ان کے ساتھ ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اسکندر مرزا نے انکار کر دیا۔ اس طرح سیاسی کش مکش شدید تر ہو گئی اور ۱۲ر اکتوبر کو سہروردی نے استعفا دے دیا۔ اب پھر مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کی مخلوط وزارت بنی اور چندریگر وزیر اعظم ہوئے۔ لیکن ان دونوں پارٹیوں کا اتحاد قائم نہ رہ سکا۔ چندریگر مستعفی ہو گئے اور فیروز خاں نون نے وزارت بنائی۔ اس زمانے میں ری پبلکن پارٹی اور اسکندر مرزا میں کشیدگی بہت بڑھ گئی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور کرشک پارٹی میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ نون عوامی لیگ اور اسکندر مرزا کرشک پارٹی کی حمایت کرنے لگے۔ جب مارچ ۱۹۵۹ء میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا تو سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل ہو گئیں۔ مارچ ۱۹۵۸ء میں سردار عبدالرب نشتر کی وفات کے بعد خان عبدالقیوم خاں مسلم لیگ کے صدر ہوئے اور انھوں نے مغربی پاکستان میں زبردست جلسے اور وسیع دورے کر کے اس جماعت کو پھر زندہ کر دیا۔ چنانچہ یہ اندازہ ہونے لگا کہ آئندہ انتخابات میں مغربی پاکستان میں مسلم لیگ اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کو کامیابی ہوگی۔ اسکندر مرزا اس صورت حال کو اپنے حق میں برا سمجھتے تھے۔ سیاسی کش مکش شدید تر ہو گئی۔ سیاست دانوں کی مفاد پرستی اور گروہ بندی نے ملک کے حالات نہایت خراب کر دیے تھے۔ لوگ سیاسی جوڑ توڑ سے بہت تنگ آ گئے تھے اور اصلاحِ حال کے لیے سب کی نظریں فوج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ آخر کار ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو دستور معطل کر کے مارشل لا نافذ کر دیا گیا اور بری فوج کے کمانڈر ان چیف جنرل محمد ایوب خاں وزیر اعظم اور مارشل لا کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اسکندر مرزا کو قوم کا اعتماد حاصل نہ تھا اور ان کے طرزِ عمل سے ملک کے مفاد کو شدید نقصان پہنچ رہا تھا۔ چنانچہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا کو مستعفی ہونا پڑا اور جنرل محمد ایوب خاں صدرِ مملکت ہو گئے۔

تیسرا دور ——— تعمیری انقلاب

جب کسی ملک کے حالات انتہائی خراب ہو جاتے ہیں تو وہاں انقلاب آنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت ہی نازک اور فیصلہ کن وقت ہوتا ہے۔ اگر انقلابی قوتیں صحیح راستے پر چلتی ہیں تو تعمیر و ترقی کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے اور انقلاب بہت مفید ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ قوتیں غلط راستہ اختیار کر لیتی ہیں تو اس کا نتیجہ تخریب اور تباہی کی شکل میں نکلتا ہے اور انقلاب مزید خرابیوں کا باعث بن جاتا ہے۔ ۱۹۵۸ میں پاکستان کے حالات بھی ایک انقلاب کے منتظر تھے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۵۸ میں انقلاب آیا اور خوش قسمتی سے یہ انقلاب پُرامن اور ہمہ گیر ترقی و تعمیر کا ضامن ثابت ہوا۔

انقلابی حکومت کو ایک ایسے ملک اور ایسے معاشرے کے بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنا تھا جو گزشتہ سات برس سے تباہی کے راستے پر گامزن تھے۔ نئی حکومت کو بے شمار مسائل کا سامنا تھا۔ کئی برائیاں ایسی تھیں جن کو فوراً ختم کرنے کی ضرورت تھی مثلاً اخلاقی جرائم، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ رشوت ستانی وغیرہ اور کئی مسائل ایسے تھے جن پر ملک کی فلاح و ترقی اور اس کے مستقبل کی تعمیر کا انحصار ہے۔ انقلابی حکومت کو ان قومی مسائل کا حل تلاش کرنا تھا جو بھارت کے پیدا کردہ تھے اور اس کی ہٹ دھرمی مناسب تصفیہ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ ملک کے لیے ایک ایسا دستور بنانا تھا جو یہاں کے حالات اور قوم کے مزاج کے مطابق ہو تاکہ مستحکم نظام حکومت قائم ہو جائے اور آئے دن ٹوٹنے والی وزارتوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے نجات ملے۔ ملک کی فلاح و ترقی کے لیے ہمہ گیر منصوبہ بندی کرنا اور ان منصوبوں کو روبہ عمل لانا تھا۔ یہ تو تھے داخلی مسائل۔ ان کے علاوہ خارجہ پالیسی بھی از سر نو تشکیل دینا تھا تاکہ سب ملکوں سے خوشگوار تعلقات استوار ہوں اور کسی بلاک سے وابستگی ملک کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ انقلابی حکومت نے یہ سب کام بڑی کامیابی سے انجام دیے اور ملک کا وقار بلند کر دیا۔

جن برائیوں کو فوراً ختم کرنے کی ضرورت تھی ان کے لیے فوری قوانین نافذ کیے گئے اور سماج دشمن عناصر کی سرکوبی کی مہم شروع کر دی گئی۔ مارشل لا کے احکام بڑی دانشمندی سے روبہ عمل لائے گئے تاکہ نہ تو فوج پر اس کا بُرا اثر پڑے اور نہ بے گناہ شہری مشکلات میں مبتلا ہوں۔ اسمگلنگ، چور بازاری، اور ذخیرہ اندوزی ختم کر دی گئیں۔ اخلاقی مجرموں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ نااہل اور بددیانت سرکاری ملازموں کو الگ کیا گیا اور سیاسی پارٹیوں کو توڑ کے ان کے لیڈروں، سابق وزیروں اور اسمبلی کے ممبروں کے اعمال کی جانچ پڑتال کی گئی اور ان پر پابندیاں عائد کر دی گئیں تاکہ ملک کے سیاسی استحکام میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

خاطر خواہ نتائج نہ نکلے کیونکہ کشمیر کے بارے میں بھارت اپنی ہٹ دھرمی پر بدستور قائم رہا اور پاکستان اور بھارت میں مصالحت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اہلِ کشمیر کی مرضی کے مطابق کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے۔

مہاجرین کی آباد کاری

پاکستان جیسی نوزائیدہ اور محدود وسائل والی مملکت کے لیے اسی لاکھ لٹے پٹے مہاجروں کو آباد کرنا نہایت دشوار اور شدید آزمائش والا مسئلہ تھا۔ آزادی کے ساتھ ہی بھارت میں خون ریز فسادات اور قتلِ عام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشرقی پنجاب، دہلی اور دوسرے علاقوں سے ۵۰ لاکھ مہاجر پاکستان آئے اور چند مہینے میں ان کی تعداد اسی لاکھ ہو گئی۔ ابتدا میں ۱۱ لاکھ مہاجر کیمپ میں رکھے گئے۔ دو مہینے میں یہ تعداد ۲ لاکھ ہو گئی اور ان کی مستقل آباد کاری کا کام شروع ہوا۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء تک مختلف علاقوں میں ان کو آباد کر دیا گیا۔ ۱۰ء۴ لاکھ زراعت پیشہ مہاجروں کے لیے زمین ناکافی تھی اس لیے افتادہ اور بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا گیا۔ مشرقی پاکستان میں بھی ۱۵ لاکھ مہاجر آئے اور مغربی بنگال و آسام سے مسلمانوں کو مشرقی پاکستان میں دھکیل دینے کا سلسلہ تو اب تک جاری ہے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو مہاجرین کو متروکہ املاک کا معاوضہ دینے کا اعلان کیا گیا اور بحالیات و کلیمز کے محکمے کام کرنے لگے۔ ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد یہ کام جلد مکمل کرنے کی زبردست کوشش شروع ہوئی۔ چند ماہ میں کورنگی کی وسیع بستی تعمیر کی گئی اور مہاجروں کے کلیموں کا فیصلہ کر کے ان کو مستقل طور پر حقِ ملکیت دیا گیا۔ اس طرح مہاجر اپنے نئے وطن میں آباد ہو گئے۔ مقامی اور مہاجر کا امتیاز ختم ہو گیا اور اب یہ دونوں پاکستانی ہیں۔

نہری پانی کا مسئلہ

تقسیمِ ہند کی وجہ سے پاکستان کی نہروں کے ماخذ بھارت کے قبضے میں چلے گئے اور قیامِ پاکستان کے صرف سات مہینے بعد بھارت نے ان نہروں کا پانی بند کر دیا۔ یہ پاکستان کے لیے بہت اہم اور نازک مسئلہ تھا کیوں کہ اس پانی سے ۸۰ لاکھ ایکڑ نہری اراضی سیراب ہوتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں جب بارش کی شدید قلت تھی بھارت نے نہروں کا پانی پھر بند کر دیا اور پاکستان کو غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مسئلہ شدت اختیار کر گیا۔ آخر کار ۱۹۵۴ء میں عالمی بنک نے یہ تجویز کیا کہ سندھ، جہلم اور چناب کا پانی پاکستان اور راوی، بیاس اور ستلج کا پانی بھارت استعمال کرے اور مغربی دریاؤں پر آبی ذخائر تعمیر کیے جائیں۔ بھارت مصالحت کی سب تجویزیں مسترد کرتا رہا اور یہ نوٹس دیا کہ ۱۹۶۲ء میں پانی کی فراہمی بالکل بند کر دی جائے گی۔ اب متبادل انتظام کرنے کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ انقلابی حکومت نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی انتہائی کوشش کی چنانچہ مئی ۱۹۵۹ء میں عالمی بنک کے مشن نے دونوں ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد لندن میں کانفرنس کرنے کی دعوت دی اور اسی سال اکتوبر میں واشنگٹن

میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں معاہدہ کا خاکہ مرتب کیا گیا۔ ستمبر ۶۰ء میں سندھ طاس کا معاہدہ ہوا جس کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ جہلم پر منگلا بند اور سندھ پر تربیلا بند تعمیر کیے جائیں۔ اس کے علاوہ سندھ جہلم، چناب اور راوی پر پانچ بیراج اور نہریں تعمیر کی جائیں گی اور آٹھ رابطہ نہروں کی تعمیر بھی منصوبے میں شامل کی گئی۔ ان تعمیرات کے اخراجات کے لیے ایک بین الاقوامی فنڈ قائم کیا گیا۔ ۲۳ر نومبر ۶۷ء کو منگلا بند کا افتتاح ہوا اور اب تربیلا بند کی تعمیر کا آغاز ہو رہا ہے۔

دستور سازی

پاکستان کے لیے ایک موزوں دستور بنانا بہت ہی اہم قومی مسئلہ تھا جس پر ملک کے سیاسی استحکام اور مستقبل کی تعمیر کا انحصار تھا۔ اس کے لیے ۴۷ء میں مجلس دستور ساز کا انتخاب کیا گیا تھا اور ۳۵ء کے دستور حکومت ہند میں کچھ ترمیم کر کے اسے عارضی طور پر اختیار کر لیا گیا تھا۔ مارچ ۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور کی گئی اور اکتوبر ۵۲ء میں بنیادی اصول مرتب کرنے والی کمیٹی نے رپورٹ پیش کر دی لیکن دستور سازی کا کام آگے نہ بڑھا۔ ۵۴ء میں پہلی مجلس دستور ساز توڑ دی گئی اور دوسری مجلس نے مارچ ۵۶ء میں ایک دستور منظور کیا۔ یہ دستور پارلیمنٹی نظام حکومت کے تصور پر مبنی تھا جو پاکستان کے لیے قطعاً موزوں نہ تھا اور اس کی وجہ سے ملک کو بہت نقصان پہنچا۔ برطانوی ہند میں پارلیمنٹی نظام حکومت انگریزوں نے نافذ کیا تھا اور یہ اسی لیے غیر موزوں اور مضر ثابت ہوا کہ اس کو کامیاب بنانے کے لیے جن روایات اور سیاسی شعور کی ضرورت ہے وہ یہاں مفقود ہیں۔ ۵۸ء کے انقلاب کے بعد مارشل لا نافذ کر دیا گیا تھا لیکن صدر ایوب کی یہ خواہش تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے مارشل لا ختم کر کے دستوری اور جمہوری حکومت بحال کر دی جائے۔ لیکن یہ دستور اور جمہوریت ملک کے حالات کے مطابق ہو۔ چنانچہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد پاکستان کے لیے صدارتی نظام حکومت اور بنیادی جمہوریت کو موزوں قرار دیا گیا۔

بنیادی جمہوریت کے نظام کی اساس ابتدائی جمہوری ادارے ہیں۔ آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے ملک کو اسی ہزار حلقوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حلقہ سے ایک نمائندہ عام حق رائے دہی کے اصول پر منتخب ہوا۔ ۱۹۶۰ء کے آغاز میں ان نمائندوں نے جو براہ راست منتخب ہوئے تھے صدر ایوب پر اعتماد کا اظہار کیا اور ان کو نیا دستور بنانے کا اختیار دیا۔ ۱۹۶۲ء میں نیا دستور نافذ ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریتوں کے جو نمائندے منتخب ہوئے تھے ان کو انتخابی ادارہ قرار دیا گیا اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کا انتخاب ہوا۔ ۶۵-۱۹۶۴ء میں نئے انتخابات ہوئے۔ عہدۂ صدارت کے لیے صدر ایوب کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح امیدوار تھیں۔ اس انتخاب سے پوری قوم نے انتہائی دلچسپی لی اور صدر ایوب بہت بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

تعمیر و ترقی اور منصوبہ بندی

۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد پاکستان کے لیے ایک موزوں اور حالات کے مطابق دستور بنانے کے ساتھ ہی ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے ضروری اور مناسب منصوبے بنانا اور ان کو روبہ عمل لانا بھی نہایت اہم اور فوری توجہ طلب مسئلہ تھا۔ چنانچہ تمام پہلوؤں پر غور کر کے مختلف شعبوں کی اصلاح و ترقی کی تجاویز مرتب کرنے کے لیے حکومت نے بیس کمیشن اور چند کمیٹیاں مقرر کیں۔ انھوں نے اپنے متعلقہ شعبوں کے تمام مسائل پر غور اور تحقیق کرنے کے بعد اپنی تجاویز پیش کر دیں اور ان کی روشنی میں ضروری قوانین بنائے گئے تاکہ ملک کی ہمہ جہتی اصلاح و ترقی کا کام منظم طریقے پر اور کم سے کم وقت میں انجام دیا جا سکے۔

تقسیم ہند کے بعد جو علاقے پاکستان کے حصے میں آئے وہ صنعتی اعتبار سے بہت پس ماندہ تھے اور بڑی بڑی زمینداریوں اور جاگیروں کی وجہ سے زرعی حالت بھی خراب تھی۔ اس صورت حال سے ملک کی معاشی ترقی و استحکام پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ ۴۸ء کے آغاز میں ترقیاتی بورڈ قائم کیا گیا اور جولائی ۵۱ء میں چھ سالہ منصوبہ تیار ہوا جس کا مقصد دو ارب ساٹھ کروڑ روپے کے مصارف سے ایک سو گیارہ اسکیمیں مکمل کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فوری ضروریات کے لیے دو سالہ ترجیحی پروگرام بنایا گیا اور اس کو روبہ عمل لانے کے لیے صنعتی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی جس نے ۵۸۰ ملین روپے کے مصارف سے یہ پروگرام پورا کیا۔ برقابی کے آٹھ منصوبے مکمل ہوئے۔ کارخانے، صنعتی اور زراعتی بنک اور تربیتی ادارے قائم کیے گئے۔ آب پاشی کے لیے بڑے بڑے بند تعمیر کیے گئے اور قدرتی گیس سے کام لینے کے منصوبے مکمل ہوئے۔

۵۸ء کے انقلاب کے بعد ملک کے معاشی استحکام اور قومی منصوبہ بندی پر پوری توجہ کی گئی۔ اکتوبر ۵۸ء میں منصوبہ بندی کمیشن بنایا گیا۔ پہلا پانچ سالہ منصوبہ ۶۰-۱۹۵۵ کی مدت کے لیے تھا۔ دوسرا منصوبہ ۶۵-۱۹۶۰ کی مدت کے لیے بنایا گیا۔ اس میں نمایاں کامیابی ہوئی اور قومی آمدنی میں ۳۰٫۶۵ فی صد، غلہ کی پیداوار میں ۲۸ فی صد اور صنعتی پیداوار میں ۶۱٫۴ فی صد کا اضافہ ہوا۔ تیسرا منصوبہ ۷۰-۱۹۶۵ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے مقاصد بہت وسیع ہیں اور مصارف کا تخمینہ ۵۲۰۰۰ ملین روپے ہے۔ چوں کہ ملک کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ زبردست قومی منصوبوں کے مصارف برداشت کر سکے اس لیے رقم کی کمی بین الاقوامی معاشی تعاون کے ذریعے پوری کی گئی۔

زرعی اور معاشرتی اصلاحات

زرعی اصلاحات کے قانون کا مقصد یہ ہے کہ جاگیر داری ختم کر دی جائے اور کاشت کار کے مفاد اور حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ زرعی اصلاحات کا کمیشن دسمبر ۵۸ء میں مقرر کیا گیا تھا اور جو قانون بنا اس کے مطابق ۵ سو ایکڑ نہری، ایک ہزار ایکڑ غیر نہری اراضی انتہائی حد مقرر کی گئی۔ زمینداروں کے پاس اس سے زیادہ جو زمین تھی اس کا بڑا حصہ آسان قسطوں پر کاشت کاروں کو دے دیا گیا اور ان کے حقوق محفوظ کر دیے گئے۔ زراعت کی ترقی کے لیے انتقالِ اراضی کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل کیا گیا زرعی ترقیاتی بینک اور امداد باہمی کے بینک۔ کیمیاوی کھاد کے کارخانے۔ زرعی کالج و یونیورسٹیاں اور تحقیقی مراکز قائم کیے گئے اور آب پاشی کے بڑے بڑے منصوبے مکمل کیے گئے۔

معاشرے کی اصلاح و ترقی کے لیے کئی منصوبوں پر عمل کیا گیا۔ بڑھتی ہوئی آبادی ملک کے لیے ایک مستقل مسئلہ ہے اور اس کی روک تھام کے لیے سارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کا نظام نافذ کیا گیا۔ معاشرتی بہبود کے محکمے اور ادارے دونوں صوبوں میں قائم کیے گئے اور بچوں کی فلاح و بہبود کے ادارے بھی بنائے گئے۔ عورتوں کی فلاح و ترقی اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے عائلی قوانین نافذ کیے گئے۔ عائلی کمیشن ۵۵ء میں مقرر کیا گیا تھا اور جون ۵۶ء میں اس نے رپورٹ پیش کی تھی۔ اس رپورٹ کی بنا پر جو قانون بنایا گیا اس میں عورتوں کے ان حقوق کا تحفظ کیا گیا جو اسلام نے ان کو عطا کیے ہیں۔ شادی اور طلاق پر پابندی لگا دی گئی۔ دوسری شادی کرنے کے لیے عدالت سے اجازت حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا اور طلاق کا موثر ہونا عائلی عدالت کی اجازت سے مشروط کر دیا گیا۔ پاکستان میں خواتین کی متعدد تنظیمیں اور ادارے موجود ہیں۔ ۴۸ء میں ان کی رضاکار تنظیم اور ۴۹ء میں خواتین کا بحری ریزرو دستہ قائم کیا گیا تھا۔ ۵۰ء میں خواتین کی ملک گیر تنظیم اپوا قائم ہوئی جس کی شاخیں ہر اہم مقام پر موجود ہیں۔ اس تنظیم نے عورتوں کے لیے کالج، اسکول، صنعتی ادارے، مصنوعات کی فروخت کے مراکز اور تربیت گاہیں اور کلب قائم کیے ہیں اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی فلاح و ترقی کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔

تعلیمی اور تحقیقی ادارے

تعلیم کی اصلاح و ترقی پر مسلسل توجہ کی جاتی رہی۔ ۱۹۴۷-۴۸ میں تعلیم پر ۱.۶۲ فی صد رقم صرف ہوتی

تھی۔ سنہ ۶۴ء میں یہ ۲۶۶ فی صد ہوگئی۔ ۵۹-۱۹۵۸ میں تعلیم کے مصارف ۲۵۰ ملین روپے تھے جو ۱۹۶۴-۶۵ء میں ۷۳۰ ملین روپے ہو گئے۔ پاکستان قائم ہوا تو یہاں صرف دو یونیورسٹیاں تھیں۔ پنجاب اور ڈھاکہ۔ اس کے بعد سندھ، پشاور، کراچی اور راج شاہی اور اسلام آباد کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ لاہور، ڈھاکہ، چٹاگانگ اور اسلام آباد میں انجینئرنگ یونیورسٹیاں اور لائل پور اور میمن سنگھ میں زرعی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ ان کے علاوہ میڈیکل کالج اور طبی تحقیقات کے ادارے۔ سائنسی تحقیقات کے ادارے اور تجربہ گاہیں اور ایٹمی توانائی کے مراکز لاہور، کراچی، اسلام آباد اور ڈھاکہ میں قائم کیے گئے۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس کے قیام کا ایک مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ پاکستانی معاشرے کو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق بنایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی راہ ہموار کرنے کے لیے اسلامیات کی تعلیم اور اسلامی تحقیقات پر خاص طور سے توجہ کی گئی ہے۔ مدارس سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں تک اسلامیات کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے شعبے قائم کیے گئے ہیں۔ جدید افکار و نظریات کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے، اسلامی تعلیمات کو بنیادی طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضے پورے کرنے اور نئی نسل کو مسلمانوں کے علمی اور ثقافتی کارناموں سے آگاہ کرنے کے لیے بھی متعدد ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے لاہور کا ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۱۹۵۰ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کے بعد کراچی اور ڈھاکہ میں اسلامی تحقیقات کے ادارے کھولے گئے۔ دستور پاکستان کے مطابق اسلامی مشاورتی کونسل اور مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی دو ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ تاکہ حکومت ان سے مشورہ کر سکے اور موجودہ اہم مسائل کو حل کرنے میں ان کی تحقیقات سے مدد لی جائے۔ اردو زبان و ادب اور اقبالیات کی ترقی و اشاعت کے لیے کراچی میں اردو بورڈ، انجمن ترقی اردو اور اقبال اکیڈمی اور لاہور میں مرکزی اردو بورڈ، اردو اکیڈمی، مجلس ترقی ادب اور بزم اقبال سرگرم عمل ہیں۔ ان کے علاوہ ڈھاکہ میں بنگلہ بورڈ، لاہور میں پنجابی اکیڈمی، پشاور میں پشتو اکیڈمی اور حیدر آباد میں سندھی اکیڈمی اور ولی اللہ اکیڈمی قائم کی گئی ہیں۔ یہ سب ادارے اپنے اپنے دائرے میں تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں۔

خارجہ حکمت عملی

پاکستان کی خارجہ پالیسی سیدھے سادے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ قائداعظم اور لیاقت علی خاں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ پاکستان حق و انصاف اور امن کا قائل ہے۔ وہ سب ملکوں اور بالخصوص اسلامی ممالک سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتا ہے۔ سب قوموں کی آزادی کا حامی اور ان کی ترقی و خوش حالی کا خواہش مند ہے۔

اس پالیسی کی مزید وضاحت صدر ایوب نے اس طرح کی ہے کہ "پاکستان سب ممالک سے خوش گوار دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتا ہے۔ بین الاقوامی امن اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے سب ملکوں سے مکمل تعاون کرنے پر آمادہ ہے۔ پاکستان بین الاقوامی کشیدگی کو ہوا دینے کے بجائے تمام تکالیف نہیں چاہتا بلکہ مصالحت و مفاہمت کے ذریعہ اس کشیدگی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پاکستان جبر و استبداد اور بے انصافی کو امن عالم کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ وہ قوموں کے حق خود ارادیت کا حامی ہے اور مظلوم و محکوم قوموں کی مادی و اخلاقی امداد کرنے اور اقوام متحدہ کے منشور کو مد نظر رکھنے کی کوششوں میں پوری امداد و تعاون کرے گا۔" یہی وہ اصول ہیں جن کی بنا پر پاکستان یہ کوشش کرتا ہے کہ امن عالم قائم رہے۔ اقوام متحدہ کے منشور کا احترام کیا جائے۔ استعماریت اور نوآبادیت کا خاتمہ ہو جائے۔ قوموں کی آزادی اور حق خود ارادیت کو تسلیم کیا جائے۔ ہر قوم کو معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنی ضروریات اور اپنی تہذیب و ثقافت اور مذہبی عقائد کے مطابق اپنے اداروں کو ترقی دے سکیں۔ پاکستان کے یہ اصول اور حکمت عملی نہایت مفید اور کامیاب ثابت ہوئے ہیں اور اس کی خارجہ پالیسی آج ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان اقوام متحدہ کا رکن ہوا اور اس کی سرگرمیوں میں نہایت مستعدی سے حصہ لینے لگا۔ ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ اور اس سال دوسری مرتبہ اس کو سلامتی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا اور کونسل کے علاوہ بھی اقوام متحدہ کے بہت سے اداروں، کمیشنوں اور کمیٹیوں کا رکن اور صدر نشین ہوا اور اپنے فرائض ہمیشہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ اقوام متحدہ میں حق و انصاف کی حمایت پاکستان کا بنیادی اصول رہا ہے۔ اس نے تمام مسائل کو اس ادارے کے منشور کے مطابق حل کرنے کی کوششوں میں نمایاں حصہ لیا اور اقوام عالم کی نظر میں ایک خاص مرتبہ حاصل کر لیا۔

پاکستان تمام ملکوں سے خوش گوار تعلقات اور دوستی رکھنا چاہتا ہے اور ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد پاکستان نے جس حقیقت پسندی اور دانش مندی سے اپنی خارجہ پالیسی مرتب کی اس کی بدولت وہ اپنے اس مقصد کے حصول میں بہت کامیاب ہوا ہے۔ اسرائیل کو تو پاکستان تسلیم ہی نہیں کرتا اور آج بھارت ہی صرف ایک ایسا ملک ہے جس سے پاکستان کے تعلقات بہت خراب ہیں۔ بھارت سے مصالحت کرنے کی بھی پاکستان نے بارہا کوشش کی لیکن بھارتی رہنماؤں کی ہٹ دھرمی نے تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ مذہبی، ثقافتی اور تاریخی رشتوں کی وجہ سے پاکستان اور

اسلامی ممالک سے تعلقات ہمیشہ برادرانہ رہے ہیں اور انقلابی حکومت اقتصادی روابط اور باہمی تعاون کو فروغ دے کر ان تعلقات کو زیادہ موثر اور مستحکم بنا رہی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ سے پاکستان کے تعلقات شروع ہی سے بہت اچھے رہے ہیں۔ امریکہ سے گہری دوستی کی وجہ سے روس کشیدہ ہو گیا تھا۔ لیکن صدر ایوب نے روسی رہنماؤں کی غلط فہمیاں دور کر دیں اور دونوں ملکوں میں اچھے تعلقات مستحکم ہو گئے۔ پاکستان کے عظیم ہمسایہ چین سے ۱۹۵۰ء میں تعلقات قائم ہوئے تھے۔ ۱۹۶۱ء سے دوستی بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ چین اور پاکستان ایک دوسرے کے بہترین دوست اور مددگار بن گئے۔ مغربی اور مشرقی بلاک کے نظریاتی اختلاف اور حصول اقتدار کی کش مکش سے پاکستان بالکل الگ رہتا ہے اور بین الاقوامی امن، انصاف، دوستی اور تعاون کا قائل ہے اس لیے سب ملکوں سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی پالیسی بہت کامیاب ہوئی ہے۔

پاکستان اور اسلامی دنیا

پاکستان کے قیام سے بین الاسلامی اتحاد کے تصور کو تقویت ہونے لگی اور اس کو عملی شکل دینے کے لیے پاکستان میں کئی اہم اقدام کیے گئے۔ فروری ۱۹۴۹ء میں عالم اسلام کی ایک موتمر کراچی میں منعقد ہوئی جس میں بتیس ممالک کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس موتمر کو ایک مستقل عالمی تنظیم کی شکل دی گئی اور اس کا مرکزی دفتر کراچی میں قائم کیا گیا۔ اس کے بعد نومبر ۱۹۴۹ء میں بین الاسلامی اقتصادی کانفرنس اور صنعتی و تجارتی نمائش ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم ممالک کی صنعتی ترقی اور باہمی تجارت کے فروغ کے لیے ایک مستقل تنظیم قائم کی جائے۔ بائیس ممالک اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور اقتصادی ترقی کے لیے ایک لائحہ عمل منظور کیا۔ ادارۂ اقوام متحدہ نے بھی کانفرنس کے منشور کی تصدیق کر دی۔ مستقل تنظیم قائم ہو گئی اور کانفرنس کا دوسرا اجلاس تہران میں ہوا۔ کراچی میں ایک اور بین الاسلامی اجتماع احتفال علمائے اسلام کا بھی اہتمام کیا گیا اور ۱۹۵۱ء میں موتمر عالم اسلامی کا دوسرا اجلاس بھی اسی شہر میں ہوا۔ اس میں چھتیس ممالک کے وفد شریک ہوئے اور عالم اسلام کے تمام اہم مسائل پر غور کیا گیا۔ ان کانفرنسوں سے بین الاسلامی اتحاد کی تحریک کو بہت فروغ ہوا اور پاکستان کی اسلامی خدمات کا اعتراف کیا جانے لگا۔ کانفرنسوں میں شرکت کے لیے مختلف ممالک سے جو وفد آئے تھے ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو آگے چل کر اپنے ملک کے حکمران بنے اور ان کے دل میں پاکستان کے لیے محبت اور اخوت کا جذبہ موجزن تھا اور

جذبہ پاکستان اور اسلامی ممالک کے روابط کو مستحکم تر بنانے میں بہت مفید ثابت ہوا۔

عرب ممالک اور افریقی مقبوضات

اسلامی ممالک سے انتہائی خوش گوار اور برادرانہ تعلقات قائم کرنا اور برقرار رکھنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک بنیادی اصول ہے اور وہ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بہت سرگرم عمل رہا ہے۔ چناں چہ مسلم ممالک کی تحریک آزادی اور مسلم قوموں کے حق خود ارادیت کی پاکستان نے ہمیشہ حمایت کی، ان کو اخلاقی اور مادّی امداد دی اور ان کے قومی مفاد اور حقوق کی حفاظت کے لیے ادارۂ اقوام متحدہ میں اور اس کے باہر ہر قسم کی جد و جہد میں پیش پیش رہا۔

فلسطین کا مسئلہ قیام پاکستان سے پہلے ہی اقوام متحدہ میں زیر بحث تھا۔ برطانیہ نے اپنے سامراجی مفاد کو تقویت پہنچانے کے لیے یہودیوں سے ساز باز کیا تھا اور اس کی کوشش یہ تھی کہ اقوام متحدہ اعلان بالفور کو عملی شکل دے اور فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چناں چہ اپریل ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کر دیا تھا۔ جب پاکستان اس ادارے کا رکن بنا تو اس نے عربوں کے موقف کی پُر زور وکالت کی، لیکن بڑی طاقتوں نے غلط طریقے اختیار کیے اور ناجائز دباؤ ڈال کر یہودی ریاست قائم کر وا دی۔ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا اور عربوں اور یہودیوں کی جنگ میں ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیا۔ فلسطین نہ صرف عربوں بلکہ پوری اسلامی دنیا کا مسئلہ بن گیا ہے اور پاکستان عربوں کے حقوق اور ان کے موقف کی مکمل حمایت کرتا ہے۔

مراکش کا مسئلہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان نے جنرل اسمبلی میں پیش کیا اور اس کو مکمل آزادی دینے کی قرارداد کی وکالت کی۔ ۱۹۵۳ء میں فرانسیسیوں نے سلطان کو معزول کر دیا تو پاکستان نے سلطان کی بحالی اور مراکش کی آزادی کے لیے ایک قرارداد سلامتی کونسل میں پیش کی اور جب فرانس نے اس کو مسترد کر دیا تو جنرل اسمبلی میں اس پر بحث ہوئی۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان نے پھر جنرل اسمبلی میں قرارداد پیش کی کہ مراکش میں فرانس کے طرز عمل سے امن کو خطرہ لاحق ہے اور اس کا فوری سدباب کیا جائے۔ چنانچہ باہمی مذاکرات کی تجویز منظور ہوئی اور ۱۹۵۶ء میں مراکش آزاد ہو گیا۔ پاکستان اور مراکش کے درمیان نہایت خوش گوار تعلقات قائم ہیں اور مراکش کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کے موقف کا حامی ہے۔

تونس میں بھی آزادی کی تحریک زور شور سے جاری تھی اور پاکستان حریت پسند رہنماؤں کی

امداد کر رہا تھا۔ اپریل ۵۲ء میں یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش ہوا۔ پاکستان نے تونس کی پُر زور حمایت کی اور جب فرانس نے اس کو مسترد کر دیا تو ستمبر میں پاکستان نے جنرل اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کی کہ اہل تونس کو شہری آزادی اور حقِ خود ارادیت دیا جائے۔ ۵۳ء کے شروع میں ایک اور ایسی ہی قرارداد پیش ہوئی اور اکتوبر ۵۳ء میں پاکستان نے تونس کو آزادی دینے کی حمایت کی۔ ۵۴ء میں پاکستان نے پھر ایک قرارداد میں تونس کی آزادی پر زور دیا اور باہمی مذاکرات کی تجویز منظور ہوئی۔ ۵۶ء میں تونس آزاد ہو گیا اور جب فرانس نے بازرتہ پر حملہ کیا تو پاکستان نے تونس کی حمایت کی۔ ان دونوں ممالک کے درمیان تجارتی اور ثقافتی معاہدے ہوئے ہیں اور تونس کے صدر حبیب بورقیبہ اور دوسرے تونسی رہنما مسئلہ کشمیر پر پاکستانی موقف کی بارہا تائید کر چکے ہیں۔

الجیریا کی تحریکِ آزادی نے بھی نومبر ۵۴ء میں جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اپریل ۵۵ء میں یہ مسئلہ باندونگ کانفرنس میں زیرِ بحث آیا تھا اور جولائی میں پاکستان اور تیرہ افریشیائی ملکوں نے اقوامِ متحدہ میں الجیریا کے متعلق قرارداد پیش کر دی لیکن فرانسیسی وفد کی عدمِ شرکت سے بحث ملتوی ہو گئی۔ پاکستان نے الجیریا کو خود اختیاری دینے کے بارے میں ایک اور قرارداد پیش کی جو منظور نہ ہو سکی۔ ۵۸ء میں پاکستان کی قرارداد پر اسمبلی نے الجیریا میں خونریزی پر اظہارِ تشویش کیا اور منشور کے مطابق کوئی حل اختیار کرنے پر زور دیا۔ جب فرانس مصالحت پر آمادہ ہوا اور الجیریا میں عارضی حکومت قائم کی گئی تو پاکستان نے اس کو فوراً تسلیم کر لیا اور آزادی کے بعد دونوں ملکوں میں روز افزوں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

لیبیا اور دوسری اطالوی نوآبادیوں کے مسئلہ پر چار بڑی دول متفق نہ ہو سکیں اور یہ مسئلہ ۴۹ء میں اقوامِ متحدہ میں پیش کر دیا گیا۔ روس چاہتا تھا کہ ان نوآبادیوں پر اس کی تولیت قائم کر دی جائے اور اٹلی کی کوشش تھی کہ یہ پھر اس کے تسلط میں آ جائیں اور اس مقصد سے برطانیہ اور اٹلی میں ایک راضی نامہ بھی ہو گیا تھا۔ آخر کار جنرل اسمبلی نے ایک کمیشن مقرر کیا جس نے یہ تجویز کیا کہ لیبیا کو دس سال کے بعد آزادی دی جائے اور برقہ پر برطانیہ، فیضان پر فرانس اور طرابلس پر اٹلی کی تولیت قائم کی جائے۔ پاکستان نے اس کی مخالفت کی۔ وہ لیبیا کی متحدہ قومی مملکت کے قیام اور فوری آزادی کا حامی تھا۔ بڑی کش مکش کے بعد نومبر ۴۹ء میں یہ طے ہوا کہ جنوری ۵۲ء میں لیبیا کو آزادی ملے اور متحدہ مملکت قائم کی جائے۔ آزادی کا بندوبست کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس کا رکن پاکستان بھی تھا اور اس نے لیبیا کے مفاد کا

پورا تحفظ کیا۔

اریٹریا کے متعلق کمیشن کی تجویز یہ تھی کہ مغربی علاقہ سوڈان میں اور باقی سب علاقے حبشہ میں شامل کر دیے جائیں۔ پاکستان نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی۔ آخر کار ایک پانچ رکنی کمیشن مقرر کیا گیا جس میں پاکستان بھی شامل تھا۔ پاکستان نے اپنی رپورٹ میں یہ تجویز پیش کی کہ اریٹریا کو متحد رکھا جائے اور یکم جنوری ۵۳ء کو اسے آزادی دی جائے۔ دوسرے ممالک نے اس کو تقسیم کر دینے کی رائے دی تھی اور دسمبر ۵۰ء میں اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ اریٹریا کو خود مختار اکائی کی حیثیت سے حبشہ میں شامل کر دیا جائے۔ ۶۲ء میں اس تجویز پر عمل کیا گیا لیکن اریٹریا میں تحریک حریت جاری ہے اور پاکستان اس کا حامی ہے۔

اطالوی سومالی لینڈ کے بارے میں کمیشن کی تجویز یہ تھی کہ اس پر اٹلی کی تولیت قائم کر دی جائے۔ پاکستان نے اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ اطالوی، برطانوی اور فرانسیسی سومالی لینڈ کو متحد کر کے سومالیہ کی آزاد مملکت قائم کر دی جائے۔ آخر کار اسمبلی نے اس کو دس سال کے لیے اقوام متحدہ کی تولیت میں دینے کا فیصلہ کیا اور ۶۰ء میں سومالیہ کو آزادی مل گئی۔

سوڈان کے مسئلہ پر مصر اور برطانیہ میں کشمکش بہت بڑھ گئی تھی۔ آخر کار فروری ۵۳ء میں ایک راضی نامہ ہوا اور تین سال کے اندر سوڈان کا حق خود اختیاری تسلیم کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ اس عبوری دور کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس کا صدر پاکستان کا نمائندہ تھا اور برطانیہ، مصر اور سوڈان کے نمائندے رکن تھے۔ پاکستان نے اہل سوڈان کے حقوق اور مفاد کا تحفظ کر کے آزادی کی راہ ہموار کر دی۔ دسمبر ۵۵ء میں سوڈان کی آزادی کا مطالبہ تسلیم کیا گیا اور یکم جنوری ۵۶ء کو یہ ملک آزاد ہو گیا۔

مصر اور پاکستان کے تعلقات ابتدا ہی سے نہایت خوش گوار تھے۔ قائد اعظم نے کہا تھا کہ "مصر کی آزادی ہماری آزادی ہے۔ جو کامیابی قاہرہ میں ہو گی اس کی صدائے بازگشت کراچی میں سنی جائے گی۔" اور حکومت پاکستان مصر کے بارے میں اسی نظریہ پر کاربند رہی۔ برطانوی سامراج کے خلاف مصر کی جد و جہد میں پاکستان نے مصر کی حمایت کی۔ نہر سویز کے علاقے سے برطانوی فوجوں کے انخلا اور مسئلہ سوڈان پر صلحت میں پاکستان نے نمایاں حصہ لیا۔ ۵۶ء میں نہر سویز کے مسئلہ نے نازک صورت اختیار کر لی تو پاکستان نے لندن کانفرنس میں اس نہر کو مصر کی قومی ملکیت قرار دینے کی پُر زور تائید کی۔ ۶۰ء میں صدر ناصر پاکستان آئے اور صدر ایوب نے بھی مصر کا دورہ کیا اور ان دوروں سے دونوں ملکوں کے تعلقات کو خوش گوار

بنانے میں بہت مدد ملی۔

سعودی عرب سے پاکستان کے تعلقات ہمیشہ برادرانہ رہے اور قومی مسائل میں دونوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کی حمایت کی۔ مسئلہ کشمیر پر سعودی عرب پاکستان کے موقف کی مکمل تائید کرتا رہا ہے اور مسئلہ بریمی پر پاکستان نے سعودی عرب کی پوری حمایت کی۔ ۵۴ء میں شاہ سعود پاکستان آئے تھے اور ۵۶ء میں صدر پاکستان نے سعودی عرب کا دورہ کیا تھا۔ اس کے بعد ۶۰ء میں صدر ایوب نے سعودی عرب کا اور ۶۶ء میں شاہ فیصل نے پاکستان کا دورہ کیا۔ دونوں ملکوں کے سربراہوں کے یہ دورے باہمی روابط کو مستحکم تر بنانے کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ دونوں ملکوں نے ثقافتی اور تجارتی معاہدے کیے اور ۶۵ء میں بھارتی جارحیت کے خلاف سعودی عرب نے پاکستان کی بہت موثر اخلاقی اور مادی امداد کی۔

اردن اور پاکستان کے تعلقات بھی ابتدا ہی سے بہت اچھے ہیں۔ ۵۹ء میں پاکستانی وزیر اعظم کے دورے کے بعد باہمی تعاون کا ایک معاہدہ ہوا تھا۔ ۶۲ء اور ۶۵ء میں ثقافتی اور تجارتی معاہدے ہوئے۔ شاہ حسین پاکستان آئے اور صدر ایوب نے اردن کا دورہ کیا۔ صدر ایوب نے اسرائیل کے خلاف اردن کی حمایت کا اعلان کیا اور شاہ حسین نے کشمیر کے متعلق پاکستان کے موقف کی تائید کی۔ رن کچھ کی لڑائی اور ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کو اردن کی مکمل حمایت حاصل تھی اور سلامتی کونسل کی بحث میں اس نے پرزور تائید کی۔ جون ۶۷ء میں اسرائیلی حملے کے خلاف پاکستان نے اردن کی ہر طرح سے اخلاقی اور مادی امداد کی۔

شام اور لبنان دونوں ان ممالک میں شامل ہیں جن سے پاکستان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں اور انھوں نے کشمیر کے مسئلہ پر ہمیشہ پاکستان کی حمایت کی ہے اور ممتاز شامی رہنماؤں نے اس کو پورے عالم اسلام کا ایک اہم ترین مسئلہ قرار دیا۔ شام اور لبنان سے پاکستان نے ثقافتی اور تجارتی اور فضائی معاہدے کیے ہیں اور اسرائیلی جارحیت کے خلاف شام کی امداد کرتا رہا ہے۔

عراق سے پاکستان کے تعلقات ابتدا ہی سے دوستانہ اور برادرانہ ہیں۔ عراقی انقلاب سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی جتنی حکومتیں قائم ہوئیں انھوں نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کی حمایت کی۔ ۵۵ء کے معاہدۂ بغداد کا ایک پرجوش رکن عراق بھی تھا جو انقلاب کے بعد اس معاہدے سے تو الگ ہو گیا لیکن پاکستان سے دوستی قائم رکھی۔ فیصل دوم اور صدر عارف دونوں پاکستان آئے تھے اور ان کے دورے سے دونوں ملکوں کے روابط مستحکم تر ہو گئے۔ ۶۲ء میں ثقافتی معاہدہ ہوا۔ ۶۵ء کی جنگ میں عراق نے

پاکستان کی حمایت کی اور ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے خلاف پاکستان کی امداد سے عراق اس قدر متاثر ہوا کہ اس کو عرب لیگ کا رکن بنانے کا خیال عام ہو گیا۔

ترکی اور ایران

ترکی اور ایران سے پاکستان کے برادرانہ تعلقات بین الاقوامی روابط میں ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو ترکوں سے ہمیشہ دلی تعلق رہا اور قیام پاکستان کے بعد اس رشتۂ اخوت کو قوی تر بنانے کا موقع ملا۔ ۱۹۵۳ء میں پاکستان اور ترکی میں سیاسی، معاشی اور ثقافتی تعاون کا معاہدہ ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں ترکی معاہدۂ بغداد میں شامل ہوا اور پاکستان کا حلیف بن گیا۔ عراقی انقلاب کے بعد اس معاہدے نے سینٹو کی شکل اختیار کر لی اور پاکستان و ترکی کے درمیان باہمی امداد کا معاہدہ ہو گیا۔ ترکی کے صدر جلال بایار اور جودت صونائی۔ وزیر اعظم عدنان مندریس اور سلیمان دیمرل پاکستان آئے اور صدر ایوب نے ترکی کے دورے کیے۔ ثقافتی و تجارتی وفود کے تبادلے ہوئے اور یہ روابط دونوں ملکوں کے تعلقات کو مستحکم تر بنانے کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ ترکی مسئلہ کشمیر پر پاکستان کی ہمیشہ تائید کرتا ہے اور مسئلہ قبرص پر پاکستان ترکی کا حامی ہے۔ ۲۱ جولائی ۱۹۶۴ء کو پاکستان، ایران، اور ترکی کے درمیان علاقائی تعاون برائے ترقی کا معاہدہ ہوا اور یہ ممالک ایک دوسرے سے نہایت قریب ہو گئے۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے جب حملہ کیا تو ترکی نے پاکستان کی پُرزور حمایت کی اور اخلاقی و مادی امداد دی۔

ایران اور پاکستان کے تعلقات ابتدا ہی سے بہت دوستانہ اور برادرانہ ہیں۔ پاکستان میں جو بین الاسلامی کانفرنسیں ہوئیں ان میں ایرانی وفد بھی شریک ہوئے اور مسئلہ کشمیر پر ایران ہمیشہ پاکستان کی حمایت کرتا رہا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ایران نے تیل کو قومی ملکیت قرار دیا اور برطانیہ سے شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس تنازعہ میں پاکستان نے ایران کی پوری حمایت کی۔ ۱۹۵۰ء میں شاہ ایران پہلی مرتبہ پاکستان آئے اور ان کے اس دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں ایک اہم دور کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد شاہ ایران کئی بار پاکستان آئے اور صدر ایوب نے ایران کے دورے کیے۔ دونوں ملکوں کے سربراہوں اور دوسرے قومی رہنماؤں کے دوروں سے ان ممالک کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات کو بہت فروغ ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں ایران بھی معاہدۂ بغداد کا رکن بنا اور پھر سینٹو میں شریک ہوا اور اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں علاقائی تعاون برائے ترقی کے معاہدے نے پاکستان و ایران

کے تعلقات کو اور زیادہ مستحکم کردیا۔ شاہ ایران کو پاکستان سے دلی لگاؤ ہے۔ ان کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے افغانستان اور ملائیشیا سے پاکستان کے تعلقات بحال ہوئے اور خوش اسلوبی کے ساتھ مصالحت ہوگئی چنانچہ شاہ ایران پاکستان میں نہایت ہر دل عزیز ہیں اور یہاں کی حکومت اور عوام نے ان کا جشنِ تاج پوشی بہت شان و اہتمام سے منایا۔ ستمبر ۶۵ء میں جب بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تو ایران نے حق رفاقت پوری طرح ادا کیا اور پاکستان کو قابل قدر اخلاقی اور مادّی امداد دی۔

پاکستان، ایران اور ترکی کے تعلقات کو زیادہ موثر اور مستحکم بنا ۔۔۔ یں ۶۴ء کے معاہدہ کا بڑا حصہ ہے جو اس علاقے میں امن و امان اور فلاح و ترقی کا ضامن ہے۔ اس معاہدے کے مطابق مشترکہ صنعتوں، جہاز رانی، بنک کاری، فنی تعاون، نظم و نسق کی تربیت، ایوان تجارت، مواصلات کی ترقی اور سیاحت کے فروغ کے منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے اور اجتماعی کوششوں سے بہتر نتائج حاصل ہونے لگے ہیں۔

انڈونیشیا، ملایا اور افغانستان

اسلامی دنیا کا ایک اور اہم ترین ملک جس سے پاکستان کے تعلقات ابتدا ہی سے بہت اچھے ہیں انڈونیشیا ہے۔ ۴۷ء میں جب پاکستان اقوامِ متحدہ کا رکن بنا تو سب سے پہلے اس نے انڈونیشیا کا مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کیا۔ جنگِ آزادی کے دوران میں انڈونیشیا کا نمائندہ پاکستان آیا اور کراچی میں اپنا دفتر قائم کیا۔ حکومت اور عوام سب نے حریت پسندوں کی حمایت کی اور دسمبر ۴۹ء میں آزادی ملنے کے ساتھ ہی اس کو تسلیم کر لیا۔ مارچ ۵۱ء میں دونوں ملکوں میں دوستی کا معاہدہ ہوا۔ ۵۵ء میں باندونگ کانفرنس میں پاکستان نے نمایاں حصہ لیا۔ ۵۹ء میں صدر سوکارنو نے صدر ایوب سے ملاقات کی اور صدر ایوب نے انڈونیشیا کا دورہ کیا۔ تجارتی اور ثقافتی معاہدے ہوئے۔ دونوں ملک ایک دوسرے سے بہت قریب ہو گئے۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں صدر سوکارنو اور انڈونیشی قوم نے بھارت کے خلاف پاکستان کی پُرزور حمایت کی اور اخلاقی و مادّی امداد دی۔ ستمبر ۶۶ء میں پاکستان اور انڈونیشیا کے درمیان اقتصادی اور ثقافتی تعاون کا معاہدہ ہوا۔ یہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے معاہدہ کے مماثل ہے۔ صدر دفتر جکارتا میں قائم کیا گیا۔ اقتصادی تعاون کا جائزہ لینے کے لیے

اقتصادی کونسل مقرر کی گئی جس نے مشترکہ کارخانے قائم کرنے اور اقتصادی تعلقات کو بڑھانے کے منصوبے تیار کیے۔ ثقافتی روابط کو ترقی دینے کے لیے یہ طے کیا گیا ہے کہ دونوں ملکوں میں ثقافتی مراکز اور یونیورسٹی میں پاکستانی اور انڈونیشی ثقافت کے شعبے قائم کیے جائیں۔

ملایا پر برطانیہ کی گرفت بہت مضبوط تھی اور اس کی آزادی کے لیے ریاستوں کو متحد کرنا ضروری تھا۔ پاکستان نے ریاستوں کا وفاق قائم کرنے اور ملک کو آزادی دینے کی تحریک کی پرزور حمایت کی۔ جب یہ تحریک بہت بڑھ گئی تو برطانیہ نے ملایا کا مسئلہ حل کرنے کے لیے دستوری کمیشن قائم کیا جس کا ایک رکن پاکستان بھی تھا۔ پاکستان نے اہل ملایا کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لیے بہت کوشش کی۔ آخر کار فروری ۱۹۵۷ء میں کمیشن نے رپورٹ پیش کر دی اور ۳۱ اگست ۵۷ء کو ملایا آزاد ہو گیا۔

افغانستان پاکستان کا ہمسایہ اسلامی ملک ہے اور ان میں تاریخی اور ثقافتی رشتے بہت قدیم اور عمیق ہیں۔ جب پاکستان قائم ہوا تو افغانستان کی حکومت میں ایک جتھے کی گرفت بہت مضبوط تھی اور اس کے ذاتی مفادات بھارت سے وابستہ تھے۔ اس لیے کشیدگی کے مواقع پیدا ہوتے رہے۔ لیکن پاکستان نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اسلامی ملک ہونے کی بنا پر افغانستان کو تجارتی سہولتیں اور مراعات دیتا رہا۔ ۵۲ء میں اسکندر مرزا اور اس کے بعد وزیر اعظم سہروردی افغانستان گئے اور ۵۸ء میں ظاہر شاہ پاکستان آئے۔ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی کوششیں ہوتی رہیں مگر کچھ مسائل پر اختلاف باقی رہا اور ایک مرتبہ کشیدگی اتنی بڑھ گئی کہ دونوں ملکوں میں سفارتی تعلقات ٹوٹ گئے۔ آخر کار مئی ۶۳ء میں شاہ ایران کی کوشش سے مصالحت ہو گئی۔ اور ۶۴ء میں صدر ایوب افغانستان گئے اور اگلے سال ظاہر شاہ پاکستان آئے۔ ۶۵ء میں بھارت کے جارحانہ حملے کے خلاف اہل افغانستان نے پاکستان کی حمایت کی تھی اور دونوں ملکوں کے سربراہوں کی ملاقات سے تعلقات خوش گوار ہو گئے۔

پاکستان نے تمام اسلامی ممالک سے برادرانہ تعلقات قائم کرنے کی جو پالیسی اختیار کی ہے اور ان کے قومی مقاصد کے حصول اور حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیے جو ان تھک اور پُرخلوص خدمات انجام دی ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں پاکستان کو عزت و

احترام اور محبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ پر اسلامی ممالک پاکستان کے موقف کے حامی ہیں اور اس کو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا کا مسئلہ سمجھا جانے لگا ہے۔ ستمبر ۶۵ء میں بھارت نے جب پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تھا تو ساری دنیائے اسلام پاکستان کی تائید کر رہی تھی۔ عرب ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس میں پاکستان کی حمایت میں قرارداد منظور کی گئی اور کئی مسلم ممالک نے پاکستان کی نہ صرف اخلاقی بلکہ مادی امداد بھی کی۔ جون ۶۷ء میں عرب ممالک پر اسرائیل کے جارحانہ حملے کے خلاف پاکستان نے عربوں کی مکمل حمایت کی اور اقوام متحدہ میں یوگوسلاویہ کی قرارداد کی تائید اور بیت المقدس کے بارے میں اپنی پیش کردہ قرارداد منظور کرانے میں جو زبردست کوششیں کیں ان کی وجہ سے نہ صرف عرب ممالک بلکہ پوری اسلامی دنیا اور اسرائیلی جارحیت کے مخالف تمام ممالک کی نظر میں پاکستان کا وقار بہت بڑھ گیا ہے اور اس کی خارجہ حکمت عملی بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

تحدیدِ نسل

از مولانا محمد جعفر پھلواروی

پاکستان کی آبادی میں ہر سال دس لاکھ نفوس کا اضافہ ہو رہا ہے اور وسائل زندگی اور انسانی آبادی میں توازن قائم رکھنے کے لیے تحدید نسل ضروری ہے۔ اس کتاب میں دینی اور عقلی شواہد سے اس مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ قیمت ۷۵ پیسے

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور

پروفیسر سید وقار عظیم

پاکستانی ادب اور فنون لطیفہ کے بیس سال

اردو ادب

بیس سال بھی ادب کی زندگی میں کوئی طویل مدت نہیں ۔ ۔ ۔ لیکن ہمارے ادب و شعر کی تاریخ عجیب سے عہد کی امر بھی ہمیشہ قلیل مدتوں سے عبارت ہے۔ مظہر جانجاناں کا عہد کیا ہے، میر، سودا اور درد کی شاعری کی قلیل مدت، غالب، مومن اور ذوق کی شاعری کی قلیل مدت، ناسخ اور آتش کی شاعری کی قلیل مدت اور نثر و نظم کی تاریخ میں نہ جانے کتنی مدتیں اور گنتے ہیں کہ یہ مختصر ہوتے ہوئے بھی اپنے اثرات کے اعتبار سے کتنے دوررس ہیں کہ انھوں نے اپنا اپنا الگ اور ہمیشہ قائم رہنے والا نقش بٹھایا ہے۔ نثر میں فورٹ ولیم کالج کا مختصر عہد اور سرسید کا مختصر عہد اسی طرح کے قلیل عہد ہیں کہ اپنی مدت کی قلت کے باوجود ادب کے ہمیشہ زندہ رہنے والے عہد ہیں۔ لیکن پاکستان میں اردو ادب کے بیس سال (یعنی ۱۹۴۷ سے ۱۹۶۷ تک) اس اعتبار سے نثر اور نظم کے مختلف اہم ادوار سے مختلف ہیں کہ بیس سال کی اس مدت میں ادب کی مختلف صنفوں میں جو انقلاب رونما ہوا اس کی نظیر اردو ادب کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس انقلاب کے آثار کیفیت و کمیت دونوں کے اعتبار سے ناول، افسانے اور ڈرامے میں بھی نمایاں ہیں اور نظم کی مختلف ہیئتوں اور بالخصوص غزل میں بھی۔ مزاحیہ اور سنجیدہ انشائیہ کو اس عہد میں ایک نئی زندگی ملی اور تنقید نے ایسی ہما ہمی بھی جیسی اس سے پہلے کے کسی دور میں نظر نہیں آتی۔ جذبے نے ادب میں اتنی بھرپور شدت اس سے پہلے شاید ہی کبھی اختیار کی ہو اور جذبہ و فکر شاید ہی کبھی یوں شیر و شکر ہوئے ہوں اور شاید ہی کبھی ادیب نے یوں روایت کا احترام کرتے ہوئے بھی بغاوت کی راہوں پر گامزنی کی ہو اور شاید ہی ادب پر کبھی ایسا جمود طاری ہوا ہو جیسا اس بیس برس کے ایک چھوٹے سے وقفے میں۔ پاکستان میں ادب کے یہ بیس سال اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں کہ اس میں ادب نچلی سے نچلی سطح پر جاکر یوں ابھرا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے

اور حیرت سے انگشت بدنداں ہوتے ہیں۔ ان بیس برسوں کے اردو ادب کی ایک بڑی واضح خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر لمحے پاکستان کے دل کی دھڑکنوں کا ساتھی اور اس کے ذہن کی بدلتی ہوئی کیفیتوں کا ترجمان رہا ہے۔ جذبے اور فکر نے جو رُخ اختیار کیے ہیں ادب بھی اسی رخ چلا ہے اور فکری اختلافات کے مظہر بنتے ہوئے بھی کبھی کبھی پوری قوم کی آواز بن کر فضا میں گونجا ہے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ایک نئی مملکت ظہور میں آئی اور مسلمان صد سالہ غلامی کے بعد ایک آزاد سرزمین کے مالک بنے لیکن اس آزادی کی اسے بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ لاکھوں مسلمان بڑی سفاکی اور بے دردی سے تہ تیغ ہوئے۔ جو زندہ بچے وہ بے کسی اور بے سرو سامانی کی رفاقت میں پاکستان کی آزاد اور مقدس سرزمین میں پناہ گزیں ہوئے۔ پاکستان کا ادیب سفاکی، وحشت، بربریت اور درندگی کی کہانیاں سن کر اور پناہ لینے والوں کی برہنہ پائی اور برہنہ سری دیکھ کر تڑپ گیا۔ اس کی آنکھوں نے خون برسایا اور اس کے قلم نے "خون چکانی" کی روایت کو ایک مرتبہ پھر زندہ کیا۔ سب سے پہلے خانماں بربادی اور خون ریزی کی یہ حکایت ناول نگاروں نے سنائی اور رقص ابلیس (ایم۔ اسلم)، پندرہ اگست (رشید اختر ندوی)، خاک اور خون (نسیم حجازی)، مجاہد (رئیس احمد جعفری)، اور خون، بے آبرو اور فردوس (رقیبی رام پوری) میں بڑے جذباتی اور رقت آمیز انداز میں انسان پر انسان کے جور و ستم اور پھر انسان (یہ انسان بہ حال میں مسلمان تھا) کی بے کسی اور بے بسی کا افسانہ اس طرح سنایا کہ سننے والے بھی تڑپ کر رہ گئے۔ کم و بیش یہی حال افسانہ نگاروں کا ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انسان بڑی بے دردی سے انسان کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے۔ انسان یہ بھول گیا ہے کہ وہ انسان ہے اور صدیوں کی کاوش سے اس سے پہلے زندگی بسر کرنے والے انسان نے تہذیبی زندگی کا جو قصر تعمیر کیا ہے اس کا تحفظ اور اس کی پاسبانی اس کا انسانی فریضہ ہے۔ افسانہ نگار نے جو کچھ دیکھا اسے کہانی کا موضوع بنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔ وہ خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رلایا اور یوں اس کی کہانی بھی ناولوں کی طرح خوں ریزیوں کی حکایت اور انسانی قدروں کی پامالی کی خون چکاں داستاں بن گئی اور ادب کے ایک مبصر نے ان ناولوں اور افسانوں کو "شہادت نامے" کہہ کر ان کی ادبی اور فنی قدر متعین کی۔ اسی مبصر نے تقسیم کے فوراً بعد کی شاعری کو "نوحے" کہہ کر اس کی غم ناکی اور غم انگیزی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس مختصر سے دور کی شاعری پر "نوحے" کی پھبتی اس لحاظ سے تو